| اُردو (لازمی) | انٹر (پارٹ-I) | پرچہ I: (انشائیہ طرز) |
| --- | --- | --- |
| وقت: 2.40 گھنٹے | 2019ء (پہلا گروپ) | کل نمبر: 80 |

## (حصہ اوّل)

**سوال** :2-(الف) درجِ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔ نظم کا عنوان اور شاعر کا نام بھی تحریر کیجیے:

(8,1,1)

وائے نادانی! کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا — مے بھی تُو، مینا بھی تُو، ساقی بھی تُو، محفل بھی تُو

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللّٰہ کو — خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تُو

**جواب**: نظم کا عنوان: پیغام (شمع اور شاعر) — شاعر کا نام: علامہ اقبال

**تشریح:**

پہلے شعر میں اقبالؒ اُمتِ مسلمہ کی حالت پر نہایت غمزدہ ہیں کہ دنیا کی امامت کرنے والی قوم اب رہنمائی کے لیے غیروں کی طرف نظریں لگائے ہوئے ہے۔ اقبالؒ کا اشارہ خاص طور پر مغرب کی طرف ہے کہ اُمتِ مسلمہ سائنس، جمہوریت، میڈیکل، غرض ہر میدان میں مغرب سے رہنمائی طلب کر رہی ہے جب کہ مغرب نے تو سبھی کچھ ہم سے لیا ہے۔ جن کے ساقی کا خود جام خالی ہو وہ ہمیں کیا دے سکتے ہیں۔ پہلے مصرع کے "ساقی" سے مراد "مغرب" ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ مینا، ساقی اور محفل سبھی کچھ تو اے مسلمان! تُو خود ہے۔ تمھارے اندر صلاحیتیں ہیں کہ تم تمام دنیا اور خاص کر مغرب والوں کو اپنا دست نگر بنا سکتے ہو، مگر ضرورت خود شناسی کی ہے۔

علامہ اقبالؒ مے خانے کے لوازمات استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح ساقی، مے نوشوں کو شراب پلا کر مست کرتا ہے اسی طرح اے مسلمان تُو بھی دنیا کے غیر مسلموں کو توحیدِ معرفت کی شراب پلا کر مست کر دے۔ اللّٰہ نے تجھے بے پناہ اوصاف اور خوبیوں سے نوازا ہے تُو ان خوبیوں کو بروئے کار لا۔

دوسرے شعر میں اقبالؒ کہتے ہیں کہ اے مسلمان! تُو اپنے اندر شعلے کی صفات پیدا کر لے اور اپنے دل میں موجود غیر اللّٰہ کی گھاس پھونس کو جلا کر راکھ کر دے۔ کفر و باطل سے ڈرنے کی ضرورت

نہیں، کیوں کہ تُو خود کفر و باطل کو تباہ کرنے والا ہے۔ تیرے اندر وہ صلاحیت موجود ہے جو کفر کا خاتمہ کر سکتی ہے۔

اقبالؒ جب خاشاکِ غیر اللہ جلانے کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کے دل میں غیر اللہ کی محبت موجود ہے جبکہ انسان کا دل محض محبتِ الٰہی کی جگہ ہے، جس میں غیر اللہ کا بسیرا ہو چکا ہے۔ یہ غیر اللہ ہماری مادی خواہشات ہیں جن کے حصول کے لیے ہم اللہ کے وجود کو بھول جاتے ہیں۔ غیر اللہ کے وجود کے ساتھ ہماری کوئی بھی عبادت معنی نہیں رکھتی، کیونکہ غیر اللہ دراصل توحید کی ضد ہے اور توحید یہ ہے کہ بندہ صرف اللہ سے تعلق جوڑے، نفع و نقصان کا مالک اُسی کو جانے، اپنے سر کو جھکائے تو صرف اُسی کی بارگاہ میں۔ یہ مقام اگرچہ بڑی ریاضت کے بعد نصیب ہوتا ہے تاہم غیر اللہ کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اقبالؒ غیر اللہ کی ہر شکل مٹانے پر اصرار کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو اُس جہادی رُوح سے سرشار کرنا چاہتے ہیں جس سے کام لے کر وہ کفر کی طاقتوں کو اُسی طرح ملیامیٹ کر سکتے ہیں، جس طرح آگ کا شعلہ گھاس پھونس کے ڈھیر کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔

---

(ب) درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے اور شاعر کا نام بھی تحریر کیجیے: (9,1)

ڈرتا ہوں دیکھ کر دلِ بے آرزو کو میں سنسان گھر یہ کیوں نہ ہو، مہمان تو گیا

افشائے رازِ عشق میں گو ذلتیں ہوئیں لیکن اسے جتا تو دیا، جان تو گیا

گو نامہ بر سے خوش نہ ہوا، پر ہزار شکر مجھ کو وہ میرے نام سے، پہچان تو گیا

---

جواب: شاعر کا نام: میرزا خان داغ

## شعر نمبر۔1

**تشریح:**

انسانی زندگی آرزوؤں اور خواہشات سے عبارت ہے اور دل ایسی جگہ ہے جو ان آرزوؤں کی آماجگاہ ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں آرزوئیں تخلیق پاتی ہیں اور کسی نہ کسی عملی سمت پر گامزن ہوتی ہیں۔ آرزوؤں کی بنیاد پر ہی دل زندہ رہتا ہے اور جب خواہشات کا بیج ناکارہ ہو جائے تو دل کی سرزمین بھی بنجر ہو جاتی ہے۔ دل کے بنجر یا زرخیز ہونے سے انسانی زندگی عبارت ہے۔ ایک عاشق کا

دل محبوب کی آرزو اور محبت سے لبریز ہوتا ہے اور عاشق کبھی اس وجود سے الگ نہیں ہوتا۔ جب صورتِ حال اس کے برعکس ہو تو دل ویران ہو جاتا ہے۔ شاعر اسی لیے کہتا ہے کہ یہ دل کیوں سنسان نہ ہو جب اس میں رہنے والا مہمان یعنی آرزو اور خواہشات رخصت ہو گئی ہیں۔ شاعر نے آرزو کے لیے مہمان کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ آرزوئیں مہمانوں کی صورت میں مختصر وقت کے لیے دل میں آتی ہیں، جس طرح مہمان کچھ دیر رہنے کے باوجود گھر کا حصہ نہیں بنتے۔ اسی طرح خواہشات بہت دیر تک دل میں پرورش پانے کے باوجود ناآسودہ رہتی ہیں۔ اس شعر میں شاعر نے خواہشات کی جگہ مہمان کا استعارہ خوب صورت انداز میں استعمال کیا ہے۔

## شعر نمبر-2

### تشریح:

اس شعر میں داغ کہتے ہیں کہ اگرچہ عشق کا راز ظاہر ہونے پر ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا، لیکن کم از کم اس طریقے سے میں نے اظہارِ تمنا تو کر دیا۔ اس طرح یہ بھی پتہ چل گیا کہ محبوب میرے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے۔ ایک عاشق کے لیے محبوب سے اظہارِ عشق کرنا محال ہوتا ہے۔ اس میں کئی طرح کی قباحتیں ہوتی ہیں: ایک تو عاشق محبوب کے سامنے قوتِ گویائی پر بے اختیار ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ محبوب کا ادب واحترام آڑے آتا ہے اور پھر محبوب بھی عاشق سے بے پروائی برتتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ان تمام تر قباحتوں کے باوجود میں نے اظہارِ اُلفت کر دیا۔ اگرچہ ایسا کرنے سے مجھے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا، لیکن یوں میں نے اپنے محبوب کو اپنے جذبے سے آشنا تو کر دیا کہ میری محبت مصنوعی نہیں، بلکہ حقیقی اور سچی ہے۔

## شعر نمبر-3

### تشریح:

ہماری شعری روایت میں عاشق، محبوب اور رقیب کے ساتھ ساتھ ایک کردار قاصد یا نامہ بر کا نظر آتا ہے، جو عاشق کا پیغام محبوب تک پہنچاتا ہے۔ یہ عاشق اور محبوب کے درمیان رابطے کی ایک صورت ہے۔ داغ کہتے ہیں کہ میں نے نامہ بر کو خط دے کر محبوب کے پاس بھیجا، لیکن محبوب اس پر

برہم ہوگیا۔ عاشق کے لیے یہ بات جہاں قابلِ افسوس تھی وہیں وہ ہزار مرتبہ شکر بھی ادا کرتا ہے کہ محبوب نے اسے اس کو نام سے پہچان لیا۔ عاشق اسے اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہے کہ اس کا محبوب اس کے نام سے تو واقف ہے، کیونکہ یہ بھی تعلق کا پتہ دیتا ہے ورنہ محبوب تو عاشق سے بے نیاز رہتا ہے۔ اردو کے ایک اور شاعر ادا جعفری نے اسی موضوع کو یوں بیان کیا ہے:

ہونٹوں پہ کبھی ان کے مرا نام ہی آئے
آئے تو سہی برسرِ الزام ہی آئے

## (حصہ دوم)

**سوال 3:** سیاق و سباق کے حوالے سے کسی ایک جزو کی تشریح کیجیے۔ مصنف کا نام اور سبق کا عنوان بھی تحریر کیجیے: **(10,3,1,1)**

(الف) ایک نہایت عاجز و مسکین غریب آدمی جو اپنے ساتھیوں کو محنت اور پرہیزگاری اور بے لاگ و ایمانداری کی نظیر دکھاتا ہے، اس شخص کا اس کے زمانہ میں اور آئندہ زمانے میں اس کے ملک، اس کی قوم کی بھلائی پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کی زندگی کا طریقہ اور چال چلن گو معلوم نہیں ہوتا مگر اور شخصوں کی زندگی میں خفیہ خفیہ پھیل جاتا ہے اور آئندہ کی نسل کے لیے ایک عمدہ نظیر بن جاتا ہے۔



**جواب:** جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2016ء (پہلا گروپ) سوال نمبر 3 (الف)۔

(ب) نہ تم مجرم، نہ میں گنہ گار۔ تم مجبور، میں ناچار۔ لو اب کہانی سنو، میری سرگزشت میری زبانی سنو۔ نواب مصطفیٰ خاں بہ میعاد سات برس کے قید ہو گئے تھے، سو ان کی تقصیر معاف ہوئی اور ان کو رہائی ملی۔ صرف رہائی کا حکم آیا ہے۔ جہانگیر آباد کی زمینداری اور دِلی کی املاک اور پنسن کے باب میں ہنوز کچھ حکم نہیں ہوا۔ ناچار وہ رہا ہو کر میرٹھ ہی میں ایک دوست کے مکان میں ٹھہرتے ہیں۔ بہ مجرد استماع اِس خبر کے، ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ گیا۔ اُن کو دیکھا۔ چار دن وہاں رہا، پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا۔

**جواب:** حوالہ متن:

مصنف کا نام: مرزا اسد اللہ غالب

سبق کا عنوان: مکتوباتِ غالب (بنام میر مہدی حسین مجروح)

## سیاق وسباق:

میر مہدی مجروح مرزا غالب کے چہیتے اور عزیز ترین شاگرد تھے۔ بڑے علم دوست، خوش طبع اور بلند پایہ شاعر تھے۔ مرزا غالب کے اکثر خطوط انھیں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ یہ خط مرزا غالب نے انھیں 2 فروری 1859ء کو لکھا ہے جس میں نواب مصطفیٰ خان کی قید اور رہائی کا حال بیان کیا ہے۔ اور ان کے بعد از رہائی میرٹھ میں قیام کے بارے میں لکھا ہے۔ مزید برآں مرزا نے اپنے میرٹھ جانے کا حال بھی بیان کیا ہے۔ اس خط میں دہلی کے ناگفتہ بہ حالات کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ نہ جانے حالات کی درستی کی کیا صورت ہو۔

## تشریح:

مرزا اسد اللہ خان غالب اپنے چہیتے شاگرد میر مہدی حسین مجروح کو لکھتے ہیں کہ نہ تو تم نے کوئی جرم کیا ہے اور نہ میرا ہی کوئی گناہ ہے۔ چنانچہ ہمیں ایک دوسرے سے گلے شکوے نہیں کرنے چاہییں۔ قصور کسی کا نہیں ہے دراصل ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ مجبور اور بے بس تھے۔ تم شاید حالات سے واقف نہیں ہو، میں تمھیں اصل حالات سے آگاہ کرتا ہوں۔ حالات کیا ہیں، دراصل میں اپنی کہانی اپنی ہی زبانی سنا رہا ہوں۔ جہانگیر آباد کے نواب مصطفیٰ خاں کو، جو شیفتہ تخلص کرتے ہیں، انھیں ہندوستان میں انگریز سرکار کے خلاف کارروائیوں میں حصہ لینے کے شبہ میں انگریز سرکار کی طرف سے سات سال قید کی سزا ملی تھی۔ ان کی سزا معاف ہوگئی ہے اور انھیں رہا کر دیا گیا ہے۔ لیکن جہانگیر آباد کی زمین، دہلی میں موجود ان کی آبائی جائیداد کی واگزاری اور گزر اوقات کے لیے سرکار کی طرف سے پنشن ملنے کے بارے میں ابھی تک انگریز سرکار نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ فی الحال حالات جوں کے توں ہیں۔ ان حالات میں رہائی کے بعد مجبوراً وہ میرٹھ شہر میں اپنے ایک دوست کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ نواب صاحب کی رہائی اور میرٹھ قیام کی خبر سنتے ہی میں پہلی تیز رفتار گاڑی سے فوری طور پر میرٹھ روانہ ہو گیا۔ میرٹھ میں ان سے ملا اور چار دن تک ان کے ساتھ رہا۔ ان کے دیگر حالات سے آگاہی ہوئی۔ پھر فوراً ہی واپس دہلی آ گیا۔

**سوال** :4- کسی ایک نصابی سبق کا خلاصہ لکھیے اور مصنف کا نام بھی لکھیے: (9,1)

(الف) اپنی مدد آپ (ب) چراغ کی لو

**جواب** :

## (الف) اپنی مدد آپ

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2015ء (پہلا گروپ)' سوال نمبر 4 (الف)۔

## (ب) چراغ کی لو

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2017ء (پہلا گروپ)' سوال نمبر 4 (الف)۔

**سوال** :5- اختر شیرانی کی نظم ''برسات'' کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ (5)

**جواب** : جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2015ء (پہلا گروپ)' سوال نمبر 5۔

**سوال** :6- دونو جوانوں کے درمیان ملک میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری کے موضوع پر مکالمہ تحریر کیجیے۔ (10)

**جواب** : جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2016ء (دوسرا گروپ)' سوال نمبر 6۔



**یا**

**کالج کی سالانہ کھیلوں کے آخری دن کی رُوداد تحریر کیجیے۔**

**جواب** : ہمارے کالج میں سالانہ کھیلوں کا انعقاد ہر سال مارچ کے پہلے ہفتے میں ہوتا ہے۔ یہ تقریب دو روز جاری رہتی ہے' کیونکہ کھیلوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہیں اور انھیں مختلف مرحلوں میں مکمل کرنا پڑتا ہے۔ کھیلوں کا اہتمام کالج کے وسیع و عریض گراؤنڈ میں کیا جاتا ہے۔ اس گراؤنڈ کو مختلف کھیلوں کے لیے کالج کے ڈائریکٹر سپورٹس کی نگرانی میں کئی دن پہلے تیار کر لیا جاتا ہے۔ تماشائیوں کے بیٹھنے کا انتظام میدان میں ٹینٹ لگا کر کیا جاتا ہے۔ کالج کے اساتذہ کرام اور مہمانوں کے بیٹھنے کا بندوبست الگ سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میدان کے مختلف حصوں کو رنگ برنگی جھنڈیوں اور مختلف بینروں سے سجایا جاتا ہے۔ کالج میں کھیلوں کی ان تقریبات میں تمام طالب علم بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتے ہیں' کیونکہ یہ جسمانی ورزش کے ساتھ ساتھ ان کی تفریح طبع کا بھی باعث بنتی ہیں۔

اس سال بھی حسب روایت تین مارچ کو کالج کی سالانہ کھیلوں کی تقریب کا انعقاد ہوا۔ میدان میں کھلاڑی، طالب علم، تماشائی اور اساتذہ کرام سب کے سب موجود تھے۔ تلاوت کلام پاک کے بعد پرنسپل صاحب نے کھیلوں کی اہمیت کو واضح کرنے کے بعد جوں ہی ان کھیلوں کے آغاز کا اعلان کیا تو فضا میں رنگ برنگے غبارے چھوڑے گئے اور طالب علموں نے پٹاخے چلا کر اپنی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔

کھیلوں کا آغاز مختلف قسم کے مقابلوں سے ہوا۔ پہلے دوڑوں کا مقابلہ شروع ہوا۔ دوڑوں کے بعد ہائی جمپ، لانگ جمپ، شاٹ پٹ، ڈسکس تھرو، نیزہ بازی اور ویٹ لفٹنگ وغیرہ کے مقابلے شروع ہوئے۔ کھلاڑیوں نے بڑی جانفشانی سے ان مقابلوں میں ایک دوسرے سے بڑھ کر بہتر پوزیشن حاصل کرنے کی کوشش کی۔

کھیلوں کے آخری روز کا آغاز کالج سٹاف کی کھیلوں سے ہوا۔ سب سے پہلے اساتذہ کرام کی سومیٹر کی ریس ہوئی جس میں کم وبیش تمام اساتذہ نے حصہ لیا۔ بعض اساتذہ دوڑتے ہوئے ٹھوکر لگنے یا کسی دوسرے ساتھی کا دھکا لگنے سے گر پڑتے تو تماشائی بے پناہ تالیوں اور سیٹیوں سے آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ اساتذہ کی دوڑ کا یہ دلچسپ مرحلہ ختم ہوا تو اساتذہ کے مابین رسہ کشی کا دلچسپ مقابلہ ہوا۔ اساتذہ کرام دو ٹیموں میں بٹ گئے۔ ایک ٹیم کی قیادت پرنسپل صاحب اور دوسری کی وائس پرنسپل صاحب کر رہے تھے۔ طالب علموں نے بے پناہ جوش وخروش اور بھرپور تالیوں سے اساتذہ کے اس مقابلے کا خیر مقدم کیا۔ مقابلہ شروع ہوا۔ دونوں طرف کے اساتذہ رسے کو اپنی اپنی طرف کھینچنے کے لیے بھرپور زور لگا رہے تھے اور طالب علم نعرے لگا لگا کر ان کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے کہ اچانک وائس پرنسپل صاحب کی ٹیم نے بیک وقت اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا۔ پرنسپل صاحب اور ان کی ٹیم کے تمام ارکان دھڑام سے پشت کے بل گر پڑے۔ پورا گراؤنڈ طلبا کے قہقہوں، تالیوں اور سیٹیوں کے شور سے گونج اٹھا۔ وائس پرنسپل صاحب کی ٹیم کے ارکان بھی لبوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ لیے ہوئے تھے جبکہ پرنسپل صاحب کی ٹیم کے ارکان اٹھ کر کپڑے جھاڑتے ہوئے اس ''فاؤل پلے'' پر

انھیں سخت سست کہہ رہے تھے۔

تماشائیوں کے لبوں سے ابھی تک ہنسی کے فوارے جاری تھے کہ ایک اور ''واقعے'' نے انھیں بے ساختہ کھلکھلا کر ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ مائیک پر اعلان ہوا کہ انگریزی کے استاد جناب رضوی صاحب نے اردو کے استاد جناب قریشی صاحب کو کشتی کا چیلنج دیا ہے۔ طلبا نے یہ سنا تو ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے' کیونکہ رضوی صاحب اکہرے بدن کے دھان پان سے آدمی ہیں' جن کا وزن زیادہ سے زیادہ چالیس کلوگرام ہوگا۔ ان کے مقابلے میں جناب قریشی صاحب دوہرے کی بجائے تہرے بدن کے آدمی ہیں' جن کا وزن کوئی بھی مشین بتانے سے پہلے ہی ٹوٹ جاتی ہے۔ رضوی صاحب نے غضب یہ کیا کہ بنیان اور نیکر پہن کر میدان میں آگئے اور جناب قریشی صاحب کر للکارنے لگے۔ تمام اساتذہ اور طالب علم ہڈیوں کے اس ڈھانچے کو گوشت پوست کے ایک پہاڑ کو للکارتے دیکھ کر بے حد لطف اندوز ہوئے اور انھوں نے بھرپور انداز میں رضوی صاحب کی ''بہادری'' کی داد دی۔ قریشی صاحب بھی بڑے زندہ دل استاد ہیں۔ جھومتے جھامتے رضوی صاحب کے پاس پہنچے۔ ان کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا اور فرمایا: برخوردار! لگتا ہے تم زندگی سے تنگ آگئے ہو۔ ابھی دس بارہ سال اور دودھ پیو' پھر مجھ سے کشتی کے بارے میں سوچنا۔''



آخر میں تمام اساتذہ کرام میوزیکل چیئر کے مقابلے کے لیے میدان میں آئے۔ یہ مقابلہ بھی بڑا دلچسپ تھا۔ تمام اساتذہ نے اپنے آپ کو تیز طرار ثابت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ہر استاد کی خواہش تھی کہ وہ حاضر دماغی اور مستعدی میں کسی سے کم ثابت نہ ہو۔ کالج کے اسلامیات کے پروفیسر عبدالستار شاکر نے اس مقابلے میں پہلی پوزیشن لی۔

اب جیتنے اور پوزیشن حاصل کرنے والوں میں تقسیمِ انعامات کا مرحلہ تھا۔ اس مقصد کے لیے محکمہ پنجاب کے سپورٹس سیکرٹری کو دعوت دی گئی تھی۔ وہ اپنی مصروفیات کے باعث اس تقریب میں کچھ ہی دیر قبل تشریف لائے تھے۔ انھوں نے تمام جیتنے والے طلبا میں انعامات تقسیم کیے اور انھیں مبارک باد دی۔ اور تالیوں کی گونج میں کالج کے سپورٹس ڈیپارٹمنٹ کو ایک لاکھ روپے کی خصوصی

گرانٹ دینے کا اعلان کیا۔ پرنسپل صاحب نے اپنے خطاب میں معزز مہمان کی آمد کا شکریہ ادا کیا اور اگلے روز کالج میں چھٹی کا اعلان کیا تو طلبا نے خوشی سے نعرے لگائے اور یوں یہ یادگار تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

**سوال :7- پوسٹ ماسٹر کے نام ڈاک کی ناقص تقسیم۔ کے بارے میں درخواست تحریر کیجیے۔ (10)**

**جواب :** بخدمت جناب پوسٹ ماسٹر صاحب' پوسٹ آفس' نارنگ منڈی

عنوان: ڈاک کی ناقص تقسیم کے مسئلے کے حل کے لیے درخواست

جنابِ عالی!

گذارش ہے کہ گزشتہ چند ماہ سے ڈاک کا نظام مسلسل مسائل کا شکار ہے۔ ڈاک کی تقسیم و ترسیل انتہائی ناقص ہے۔ خطوط گم ہو جاتے ہیں یا وقت پر نہیں ملتے۔ یہاں تک کہ تار بھی دیر سے ملتے ہیں' جس کی وجہ سے طرح طرح کے مسائل جنم لیتے ہیں۔ میں ایک طالب علم ہوں اور مجھے اپنے تعلیمی حوالے سے خط و کتابت کے لیے ڈاک کے نظام پر ہی انحصار کرنا ہوتا ہے' لیکن اس نظام نے مجھے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ میرے انٹرمیڈیٹ امتحانات کی ڈیٹ شیٹ اور رول نمبر سلپ وقت پر نہ آنے کے باعث میں امتحان میں شرکت نہ کر سکا۔ میرا ایک سال ضائع ہو گیا ہے۔ اور اس نقصان کا ذمہ دار آپ کا محکمہ ہے۔

یہ واقعہ صرف میرے ساتھ ہی نہیں ہوا' بلکہ ہمارے علاقے میں ایسی اور بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ آپ سے گذارش ہے کہ اس مسئلے کے حل کی طرف بھرپور توجہ دیں اور مستقبل میں مزید کسی نقصان سے بچالیں۔ نوازش ہوگی۔

درخواست گزار
وا ہلِ علاقہ

25 اپریل' 2017ء

**سوال** :8- درجِ ذیل عبارت کی تلخیص کیجیے اور مناسب عنوان بھی تحریر کیجیے:

انسان، آدمی کی سی شکل کا نام نہیں بلکہ ان صفات کے مجموعے کا نام ہے جس سے آدمی اور جانور میں تمیز پیدا ہوتی ہے۔ آدمی اگر ایک یا ایک سے زیادہ صفات کے اعتبار سے کسی جانور کی عادت یا عادات کے مشابہ ہو تو وہ آدمی کے قالب میں جانور ہوگا، چاہے وہ بظاہر کتنا ہی قبول صورت یا مالک جاہ و حشمت کیوں نہ ہو۔ جب ایک جابر اور ظالم آدمی کسی بے گناہ اور مظلوم کے سینے پر گھٹنے رکھ کر اس کا گلا دبا رہا ہوتا ہے تو وہ اس بھیڑیے کی مانند ہوتا ہے جس نے کسی معصوم بھیڑ بچے کے جسم میں پنجے گاڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہم اپنے مختلف اعمال و افعال کی بنا پر نہ جانے کس کس جانور کی شکل اختیار کرتے رہتے ہیں۔ اگر ہم کسی طرح اپنی بھیانک شکلوں کو دیکھ سکیں تو شاید خود چیخ اٹھیں اور اپنے اندر کے انسان کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

**جواب** : تلخیص:

انسان ان صفات کا مجموعہ ہے جو آدمی اور جانور میں تمیز پیدا کرتی ہیں۔ صفات میں جانور سے مشابہ انسان چاہے کس قدر قبول صورت کیوں نہ ہو، آدمی کے روپ میں بھیڑیا ہوتا ہے۔ اپنے اعمال کی بنا پر ہم نے مختلف جانوروں کی شکلیں اختیار کر رکھی ہیں۔ اگر ان شکلوں کو دیکھ سکیں تو پھر اپنے اندر کے انسان کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

عنوان:

1- انسان اور جانور میں فرق　　　　2- انسانیت کی تلاش